ترجمہ قرآن کے اصول
(شاہ ولی اللہ کی آرا کا تحقیقی مطالعہ)

سید ثاقب گیلانی *
ظہور اللہ الازہری **

Abstract

The Holy Quran is the last revealed book. The main topic of the Holy Quran is human beings. It provides eternal guidance to the whole of mankind. Therefore, Islamic scholars have been working to communicate the teachings of the Holy Quran to the people in every era. Shah Waliullah is the first scholar of the sub-continent Indo-Pak, who translated the Holy Quran in Persian language. Shah Waliullah had to face severe opposition in this regard. But the coming time testified his great step in this regard. Shah Waliullah and his family had valuable services for Islam and the Holy Quran. Shah Waliullah has also described the basic principles of translating the Holy Quran into other languages. These principles have been discussed in this article.

KEYWORDS: Quran, principles of translation, Shah Waliullah

* سید ثاقب گیلانی، پی ایچ۔ڈی۔ سکالر، شعبۂ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور۔
** ڈاکٹر ظہور اللہ الازہری، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو پوری انسانیت کے لیے رشد وہدایت کا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید صحف سماویہ میں اپنی خصوصیات کے اعتبار سے منفرد کتاب ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا تحریف سے محفوظ رہنا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (۱)

"بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

چونکہ حفاظت الٰہی کی یہ ضمانت کسی اور کتاب الٰہی کے لیے نہ تھی۔ اس لیے وہ تحریف سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ جب کہ قرآن مجید ہمیشہ کے لیے ہر قسم کی تحریف سے محفوظ کر دیا گیا ہے لہٰذا یہ ابدی ہدایت کا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید ۶۲۳۶ آیات پر مشتمل ہے۔ (۲)

ان آیات میں علم ومعرفت کا لازوال خزانہ چھپا ہے۔ اس کتاب کا نام " قرآن" رکھا گیا۔ خود اللہ تعالیٰ نے کم از کم ۶۱ مقامات پر اپنے کلام کو اسی نام سے یاد کیا ہے۔ (۳)

قرآن کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسم بامسمّٰی ہے۔ علمائے لغت نے اس کے چار مادے بیان کیے ہیں:

(۱) قَرَأَ (۲) قَرَنَ (۳) قراءۃ (۴) قرائن

۱۔ لفظ قرآن کا پہلا مادہ اشتقاق قَرَأَ ہے۔ جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ عربی زبان میں کہتے ہیں:

قَرَأَالماءفی الحوض

"اس نے حوض میں پانی جمع کیا"

اس لحاظ سے قرآن وہ کتاب ہے جس کے اندر سب کچھ جمع کر دیا گیا۔ قرآن مجید اس حقیقت کو خود بیان کرتا ہے۔

وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (۴)

"اس کائنات میں کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جس کا بیان اس کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔"

۲۔ لفظ قرآن کا دوسرا مادۂ اشتقاق قرن ہے۔ جس کے معنی اکٹھا کرنے اور ملانے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ:

قرن الشیءبالشیء

"اس شخص نے ایک چیز کو دوسری کے ساتھ ملا دیا۔"

یہاں سوال پیدا ہوگا کہ قرآن کو کس کے ساتھ ملا دیا گیا۔ تو اس دوسرے مادے کے مطابق قرآن کو ہدایت کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ اس لیے قرآن مجید بار بار هُدًى لِلْمُتَّقِيْن اور هُدًى لِّلنَّاس کی بات کرتا ہے۔

۳۔ لفظ قرآن کا تیسرا مادۂ اشتقاق "قرأۃ "ہے۔جس کا معنی پڑھنا ہے۔ لفظ قرآن میں مبالغے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ قرأۃ سے قرآن کا فعل ان کے وزن پر وارد ہونا کثرتِ قرأت کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے اس مادے کے معنی کے مطابق قرآن سے مراد "وہ کتاب ہے جسے بہت زیادہ پڑھا جائے" اور یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ قرآن مجید حفظ، ناظرہ، تجوید، قراءت، تلاوت، ترجمہ، تفسیر و تعبیر کے لحاظ سے دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

۴۔ قرآن کا چوتھا مادہ "قرائن" ہے۔یہ قرینہ کی جمع ہے جس کے معنی علامت، نشان اور دلیل کے ہیں۔ قرآن کو قرآن اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی ہر آیت دوسری آیت کے مدعا و مفہوم کی صحت کا قرینہ ہے۔ (۵)

قرآن مجید چونکہ منبع علم ہے، اس لیے اہل علم نے خدمت قرآن کو اپنی زندگیوں کا مرکز بنائے رکھا اور اس کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے اسے سہل انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اگر کوئی شخص خلوص دل سے قرآنی علوم کی معرفت حاصل کرنا چاہے تو قرآن مجید اس کے لیے مشکل نہیں ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡآنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِن مُّدَّكِرٍ (۶)

"اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے؟"

نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے اور پھر اس کی تبلیغ کرنے پر زور دیا ہے۔ اس حوالے سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً (۷)

"مجھ سے سنی ہوئی ہر بات دوسروں تک پہنچا دو خواہ وہ ایک آیت ہی ہو۔"

اس ارشاد کے پیش نظر اہل علم اپنے اپنے انداز میں قرآن مجید کی مختلف انداز سے خدمت کرتے رہے اور پیغام حق دوسروں تک پہنچاتے رہے۔ قرآن مجید کی انھی خدمات میں سے ایک خدمت ترجمہ نگاری کی ہے۔

ترجمے کا مفہوم

ترجمہ رباعی مجرد کے باب " فَعْلَلَة" سے ہے۔ ترجمے سے مراد کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف منتقل کرنا ہے۔ اس لیے ترجمہ کرنے والے کو مُتَرْجِمْ اور قرآن پاک کو مُتَرْجَم کہا جائے گا۔(۸)

علامہ محمد عبد العظیم زرقانی کہتے ہیں کہ ترجمے کا عرفی معنی یہ ہے کہ کلام ایک زبان میں ہو اور

اس کا مطلب دوسری زبان میں اس طرح بیان کیاجائے کہ اس کلام کے تمام معانی اور مقاصد بھی ادا کر دیے جائیں۔ (۹)

ظاہر ہے کہ کسی بھی کلام کا اور خاص طور پر قرآن مجید کا ایسا ترجمہ نہیں کیاجاسکتا جس میں اصل کلام کے تمام معانی اور مقاصد ادا ہو جائیں۔ اسی لیے علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی قرآن پاک کے ترجمے کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی تفسیر تو کی جاسکتی ہے مگر ترجمہ نہیں کیاجاسکتا۔ (۱۰)

مولانا مودودی نے تو اس کے لیے ترجمہ کی بجائے "ترجمانی" کا لفظ استعمال کیاہے۔ آپ تفہیم القرآن کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"میں نے اس کتاب میں ترجمے کا طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیاہے۔"

مزید لکھتے ہیں:

"ایک اور وجہ اور بڑی اہم وجہ لفظی ترجمے کے غیر موثر ہونے کی یہ ہے کہ قرآن کا طرز بیان تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے۔ اگر اس کو منتقل کرتے وقت تقریر کی زبان کو تحریر کی زبان میں تبدیل نہ کیاجائے اور جوں کا توں اس کا ترجمہ کر ڈالا جائے تو ساری عبارت غیر مربوط ہو کر رہ جاتی ہے۔ لفظی ترجمے کے طریقے میں کسر اور خامی کے یہی وہ پہلو ہیں جن کی تلافی کرنے کے لیے میں نے "ترجمانی" کا ڈھنگ اختیار کیاہے۔"

اسلوب بیان میں ترجمہ پن نہ ہو۔ عربی مبین کی ترجمانی اردوئے مبین میں ہو، تقریر کا ربط فطری طریقے سے تحریر کی زبان میں ظاہر ہو۔

آگے جاکر مولانا لکھتے ہیں:

"بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کو قرآن مجید مختلف مواقع پر مختلف مفہومات میں استعمال کرتا ہے۔ مثلاً ایک لفظ "کفر" کو لیجیے۔ کہیں اس سے مراد مکمل غیر ایمانی حالت ہے اور کہیں یہ مجرد انکار کے معنی میں آیا ہے۔ کہیں اس سے محض ناشکری اور احسان فراموشی مراد لی گئی ہے اور کہیں مقتضیاتِ ایمان میں سے کسی کو پورا نہ کرنے پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ کہیں اعتقاد یا اقرار مگر عملی انکار یا نافرمانی کے لیے یہ لفظ بولا گیا ہے۔ کہیں ظاہری اطاعت مگر باطنی بے اعتقادی کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان مختلف مواقع پر اگر ہم ہر جگہ کفر کا ترجمہ کفر ہی کرتے چلے جائیں یا اور کسی لفظ کا التزام کر لیں تو بلاشبہ ترجمہ اپنی جگہ صحیح ہو گا لیکن ناظرین کہیں مطلب سے محروم رہ جائیں گے، کہیں غلط فہمی کا شکار ہوں گے اور کہیں خلجان میں پڑ جائیں گے۔ لفظی

ترجمے کے طریقے میں کسراور خامی کے یہی وہ پہلو ہیں جن کی تلافی کرنے کے لیے میں نے "ترجمانی" کا ڈھنگ اختیار کیا ہے۔" (۱۱)

بہر حال قرآن مجید کے مفہوم کو ترجمے یا ترجمانی کی صورت میں دوسرے انسانوں تک پہنچانا ایک عظیم خدمت ہے۔ کتاب اللہ کو ترجمے کے ساتھ دوسروں تک پہنچانے کی کوشش صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے زمانے ہی میں شروع ہوگئی تھی۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے المبسوط میں لکھا ہے کہ:

" فارس کے لوگوں کے لیے جو عربی زبان سے ناواقف تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے سورہ فاتحہ کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا تھا۔" (۱۲)

قرآن مجید کا سب سے پہلا ترجمہ قدیم سندھ کے ابتدائی عرب دور کی یادگار ہے۔ مشہور سیاح، بزرگ شہریار ناخدا رہرزی نے عبداللہ عمر بن عبدالعزیز ہتباری والیٔ منصورہ کے حال میں لکھا ہے کہ ۲۷۰ھ میں الور (موجودہ روہڑی سے چار میل مغرب میں اس کے کھنڈرات ہیں) کے راجہ مہروقبن رائق نے عبداللہ کو اسلامی تعلیمات سمجھانے کے لیے لکھا۔ امیر مذکور نے منصورہ کے ایک عالم دین کو "الور" روانہ کیا۔ جس نے راجہ کے لیے مقامی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور تفسیر لکھی اور اسے اسلام کی تعلیم دی۔ یہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکا کہ مذکورہ ترجمہ ہندی/ سنسکرت میں تھا یا مقامی سندھی زبان میں تھا۔ بہر حال یہ قرآن مجید کا قدیم ترین ترجمہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

اولین تراجم میں دوسرا ترجمہ راہب پطرس طرابلس نے ۵۶۸ھ (۱۱۴۳ء) میں بزبان لاطینی کیا جو مغربی زبانوں میں کلام مجید کا پہلا ترجمہ ہے۔ مطبع کی ایجاد کے بعد یورپ میں یہی سب سے پہلا ترجمہ ہے جو ۱۵۴۳ء میں بمقام باسل چھپ کر شائع ہوا۔

تاریخی اعتبار سے افریقی زبانوں میں سب سے پہلا ترجمہ الجزائر میں بربری زبان میں ۶۶۷ھ (۱۲۶۹ء) میں کیا گیا۔

قرآن مجید کے اب تک اردو میں تراجم کی تعداد ۲۲۷ اور فارسی میں ۵۲ ہے۔ (۱۳)

قرآن مجید کی ترجمہ نگاری کی تاریخ میں ایک بہت بڑا نام حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ ۱۰ فروری ۱۷۰۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۰، اگست ۱۷۶۲ء کو دہلی ہی میں وفات پائی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا اصل نام قطب الدین تھا۔ والد کا نام شاہ عبدالرحیم وجیہ الدین دہلوی تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا پدری سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے اور مادری سلسلۂ نسب حضرت علیؓ سے ملتا ہے۔ (۱۴)

شاہ ولی اللہ نے ۱۱۵۰ھ بمطابق ۱۷۳۷ء قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام "فتح الرحمن

فی ترجمۃ القرآن" رکھا۔[(۱۵)]

اس سے پہلے فارسی زبان میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ حضرت شیخ سعدیؒ نے کیا تھا جب کہ برصغیر میں فارسی کا پہلا ترجمہ کرنے کا اعزاز حضرت شاہ ولی اللہؒ کو حاصل ہوا۔[(۱۶)]

شاہ صاحب کے ترجمے سے ان کی شدید مخالفت شروع ہو گئی۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس ہنگامہ آرائی کی وجہ سے شاہ صاحب کی جان خطرے میں پڑ گئی اور انھیں دہلی چھوڑنا پڑا کیونکہ علمائے دہلی ان کے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔[(۱۷)]

شاہ صاحب کے فارسی ترجمۂ قرآن پر علماء کی ہنگامہ آرائی کی دو اہم وجوہ شیخ محمد اکرم نے "رودِ کوثر" میں بیان کی ہیں:

۱۔ علماء نے تلواریں اس لیے نیام سے باہر نکالیں کہ ان کے نزدیک یہ کلام الٰہی کی سخت بے ادبی ہے کہ اس کو ترجمہ کی صورت میں کسی دوسری زبان میں لکھا جائے۔

۲۔ بیشتر علماء کی شاہ صاحب کے ترجمے سے مخالفت تقلید اور امور مذہب میں مغز کو چھوڑ کر استخوان کے پیچھے دوڑنے کی وجہ سے تھی لیکن لوگ جلد ہی ترجمے کی اہمیت سے آگاہ ہو گئے حتیٰ کہ شاہ صاحب کے بعد ان کے فرزندوں نے بھی یکے بعد دیگرے اردو میں ترجمۂ قرآن کا اہم فریضہ سرانجام دیا۔[(۱۸)]

شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ ۱۸۲۹ء (۱۲۴۵ھ) میں دہلی سے شائع ہوا اور شاہ رفیع الدین دہلوی کا ترجمہ کلکتہ سے ۱۸۴۰ء (۱۲۵۶ھ) میں شائع ہوا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح لفظی ترجمے کے بانی شاہ رفیع الدین ہیں اسی طرح بامحاورہ ترجمے کے بانی شاہ عبدالقادر ہیں۔ واضح رہے کہ شاہ رفیع الدین دہلوی کا لفظی ترجمہ ۱۷۷۶ء (۱۱۹۰ھ) میں مکمل ہو گیا تھا مگر پہلے منظر عام پر آنے کا شرف شاہ عبدالقادر کے ترجمے کو حاصل ہوا۔[(۱۹)]

شاہ صاحب نے نہ صرف قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا بلکہ قرآن مجید کے ترجمے سے پہلے انھوں نے ترجمے کے قوانین پر ایک رسالہ "المقدمہ فی قوانین الترجمۃ" تحریر فرمایا۔ جس میں اپنے ترجمۂ قرآن کی وجوہات بیان کرتے ہوئے تراجم کے مختلف اسلوب اور صحیح ترین ترجمے کے قوانین اور ضابطے بیان فرمائے۔ اس طرح حضرت شاہ ولی اللہؒ نے قرآن مجید کے ترجمے سے پہلے ترجمہ نگاری کے اسلوب پر جامع رسالہ تحریر کیا۔ اس میں نصوص قطعیہ پر مشتمل الفاظ کی معنوی تبیان کرنے کے لیے کسی بھی دوسری زبان میں اختیار کیے جانے والے الفاظ کی ساخت، ان کے استعمال کی نوعیت اور ترجمہ کرتے وقت انھیں منتخب کرنے کی وجوہات اور قوانین بیان فرمائے ہیں۔ خاص طور پر فارسی زبان میں ترجمے کے لیے عربی الفاظ کے کن پہلوؤں کو سامنے رکھ کر جامع ترجمہ نگاری کی جا سکتی ہے، اسے بخوبی واضح کیا۔ یہ مقدمہ مختصر ہونے کے باوجود بڑا بصیرت افروز اور

عالمانہ ہے۔شاہ صاحب اس مقدمے کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

ایں رسالہ ایست در قواعد ترجمہ مسماہ بالمقدمۃ فی قوانین الترجمۃ کہ دروقت تسوید ترجمہ قرآن قلم بہ ضبط آں جاری شد۔

"یہ رسالہ ترجمہ نگاری کے اصول وضوابط سے متعلق ہے۔اس کانام "المقدمہ در قوانین ترجمہ"۔یہ رسالہ ترجمہ قرآن کی تسوید کے دوران ضبط تحریر میں لایا گیا۔"

"المقدمہ فی قوانین الترجمہ" کا سن تصنیف کیا ہے؟اس سلسلے میں مولانا محمد مسعود عالم قاسمی لکھتے ہیں کہ اس رسالے کی تصنیف فتح الرحمن کی تسوید کے وقت عمل میں آئی۔جیسا کہ خود شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:یہ رسالہ ترجمہ قرآن کے قاعدوں کے بیان میں ہے۔اس کانام" المقدمہ فی قوانین الترجمہ" ہے۔اسے فتح الرحمن کی تسوید کے وقت ضبطِ قلم کیا گیا ہے اور فتح الرحمن کے مسودے کی تکمیل شاہ صاحب نے شعبان ۱۱۵۱ ھ بتائی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۱۱۵۰ ھ سے ۱۱۵۱ ھ کے درمیان لکھا گیا ہے۔[۲۰]

شاہ صاحب نے ترجمہ نگاری کے اسالیب کا تحلیل وتجزیہ کرکے جس جامع اسلوب اور بامحاورہ سلیس ترجمہ نگاری کی نشان دہی کی ہے اس کے بنیادی نکات اوراصول وقوانین کاخلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ اصل متن کے الفاظ میں جس قدر جامعیت اورجملوں کی ترتیب وترکیب میں جیسا نظم وضبط پایاجاتا ہو ترجمہ کی جانے والی زبان میں الفاظ کی اسی قدر جامعیت اورجملوں کی نظم وترتیب ہونی چاہیے۔

۲۔ ہر زبان میں فعل کے متعلقات اورصلات مختلف منہج رکھتے ہیں۔ترجمے کے وقت افعال کے ایسے متعلقات اورصلات کو صحیح طور پر سمجھاجائے اور جس زبان میں ترجمہ کیاجارہاہے اس کے جملوں میں ان متعلقات اورصِلَات کاپورا استعمال کیاجاناچاہیے۔

۳۔ اگر کسی زبان میں استعمال کیے جانے والے جملے اور اس کی ترکیب کی دوسری زبان میں کوئی مثال اور نظیر موجود نہ ہویا مثال تو موجود ہولیکن اس سے لفظی پیچیدگی پیداہوتی ہو یا فصاحت وبلاغت کا خون ہوتا ہوتوپھر ایسے مقامات پر اصل زبان میں استعمال ہونے والے الفاظ کے کسی مترادف لفظ کو پیش نظر رکھا جائے اور اس مترادف لفظ کا ترجمہ کر دیاجائے۔

۴۔ ترجمے میں اس بات کالحاظ رکھاجائے کہ زبان کی ساخت کے اعتبار سے جس لفظ یاجملے کا پہلے ذکر کیا جانا ضروری ہے، اسے پہلے ذکر کیاجائے۔اسے بعد میں ہر گز نہ لایاجائے۔

۵۔ جس لفظ کوبعد میں لکھاجاناضروری ہے اسے بعد میں لایاجائے،پہلے نہ لکھاجائے۔

۶۔ اصل متن کی عبارت میں اگر کوئی لفظ محذوف ہے اوراس کے بغیر ترجمہ ممکن نہیں توترجمے میں اس کو

ظاہر کر دینا ضروری ہے۔

۷۔ ترجمے میں ضرورت سے زائد الفاظ کا استعمال نہ کیا جائے۔

۸۔ ترجمہ نگاری میں نحوی ترکیب اور گرائمر کے اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے۔

۹۔ ترجمہ نگاری میں اگر کسی جگہ متکلم کی مراد سمجھانے میں دشواری پیش آئے تو ہر ممکن حد تک اس کو سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔خواہ درج ذیل تبدیلیاں کیوں نہ کرنی پڑیں۔

الفاظ کی تقدیم وتاخیر

کسی حرف کا زیادہ کرنا

کسی محذوف کو ظاہر کرنا

معطوف کے عامل کو دوبارہ ذکر کرنا

کسی ضمیر کو ظاہر کرنا

۱۰۔ اگر جملے کی ساخت ایسی ہو کہ مذکورہ بالا طریقوں سے مفہوم کا سمجھانا، گرائمر کے اصول پر درست نہ ہو تو پھر الفاظ کا ترجمہ بیان کرنے کے بعد اس کے معنی کا مفہوم بیان کرنے کے لیے "یعنی" یا "مراد یہ ہے کہ" کا لفظ لا کر اس کی وضاحت کر دی جائے۔

۱۱۔ ترجمہ کرتے ہوئے اگر جملے میں موجود کسی قید کا ذکر کیا جائے یا کسی جملے کے مفہوم میں جو افراد شامل ہیں، ان کی وضاحت کی جائے یا کسی رمز وکنائے کی وضاحت کی جائے یا کسی تعریض واشارے کو کھول کر بیان کیا جائے یا کسی مبہم لفظ کی وضاحت کی جائے تو ایسی صورت میں اسے بیان کرنے کے لیے لفظ "یعنی" یا "مراد یہ ہے کہ" استعمال کیا جائے تاکہ پتا چلے کہ یہ وضاحت وتوضیح اصل کلام کا حصہ نہیں ہے بلکہ اسے مذکورہ طریقوں کے مطابق سمجھایا گیا ہے۔

۱۲۔ دونوں زبانوں کی ساخت کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے انداز گفتگو اور طرز کلام میں موجود اسلوب کے اختلاف کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۱۳۔ دونوں زبانوں میں موجود مختلف انداز واسلوب کی وجہ سے ترجمہ کرتے وقت اگر مجبوراً ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف لانا پڑے تو کوئی حرج نہیں۔اس لیے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ [۲۱]

اس کے علاوہ شاہ صاحب اپنے مقدمے میں درج ذیل اصول بیان کرتے ہیں:

۱۴۔ جب اس میں فاعل مستقبل کے لیے آتا ہے تو اس کا مساوی فعل مستقبل معروف ہوتا ہے اور جب اس

میں مفعول مستقبل کے لیے لایا جاتا ہے تو اس کا مساوی فعل مستقبل مجہول ہوتا ہے۔جیسے قل یاایھا الکافرون، قل الذین کفروا اور قل لمن کفر، یہ تینوں ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں۔اسی طرح یاایھا الذین آمنوا، یاایھا المؤمنون، یاھولاالمؤمنین بھی ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں۔

۱۵۔ اگر مفعول لہ غرض کے معنی میں ہو تو اس کا ترجمہ برائے یا تا ہو گا۔اگر مفعول لہ بمعنی حاصل ہو تو اس کا ترجمہ بعلت یا بحکم یا بمقتضا سے کرتے ہیں۔

اگر احتراز کے معنی میں ہو تو اس کا ترجمہ برائے احتراز یا برائے احتیاط یا اسی جیسے الفاظ سے کیا جائے گا۔

۱٦۔ مفعول فیہ کا ترجمہ در مکان یا در زمان کیا جائے گا۔

۱۷۔ مفعول معہ کا ترجمہ لفظ با سے کیا جائے گا جیسے ''استوالماء والخشبة'' کا ترجمہ ہو گا (برابر شد آب باچوب)۔

۱۸۔ اگر حال مفرد کلمہ ہو تو اس کا ترجمہ کرنے کے لیے ایسے لفظ کو استعمال کرنا ہو گا جو حال کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔جیسے جئ ترا کباً کا ترجمہ ہو گا (سوار آمدم)۔

۱۹۔ اگر مضمر کی جگہ ظاہر لفظ استعمال کیا جائے تو ربط باقی رکھنے کے لیے وہاں لفظ آں زیادہ کیا جائے گا۔

۲۰۔ واؤ اور فا بسا اوقات زائد ہوتے ہیں اور بسا اوقات عطف کے ترجمے کے بغیر جملہ مربوط ہو جاتا ہے اور ترجمہ درست ہوتا ہے۔اس صورت میں اگر ترجمے میں رکاکت پیدا ہو رہی ہو تو اس واؤ یا فا کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ (۲۲)

ترجمے کو عام فہم بنانے کے لیے شاہ صاحب نے "فتح الرحمن" کے مقدمے میں چند مزید اصولوں کی نشان دہی کی ہے:

۲۱۔ قرآن حکیم کا ترجمہ لکھنے والے کاتبوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن حکیم کی عبارت نمایاں خط اور پورے اعراب کے ساتھ لکھیں اور ترجمے کو سرخ روشنائی سے الگ اور ممتاز کر کے لکھیں اور اس بات کی احتیاط کریں کہ ترجمے کے الفاظ اصل قرآن کا حصہ بن کر تحریف کی صورت اختیار نہ کر جائیں۔

۲۲۔ جہاں کہیں ایسا اشتباہ پیدا ہونے کا احتمال ہو تو پورے جملے اور کلام کو سرخ نقطے کے ذریعے بعد میں آنے والی عبارت سے الگ کر کے لکھیں۔

۲۳۔ مرکب اضافی اور مرکب توصیفی کو مضاف اور موصوف کے نیچے زیر لگا کر نمایاں کریں تاکہ ابتدائی پڑھنے والے لوگوں کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

۲۴۔ اگر ابتدائی پڑھنے والوں کے لیے لفظی ترجمہ نامانوس لگے یا بچوں کے ذہنوں کو اس کے سمجھنے میں مشکل

پیش آئے تو ان قوانین کو یاد رکھنے والے سعادت مند دوست ایسے الفاظ کے معنی حاشیے میں لکھ دیں تا کہ کسی بھی فرد کو بات سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔[۲۳]

اس کے علاوہ شاہ صاحب "مقدمہ فتح الرحمن" میں مزید لکھتے ہیں:

۲۵۔ روزمرہ کی متداول اور سلیس زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا جائے اور ترجمے میں اپنی علمیت کے اظہار اور غیر ضروری توجیہات سے اجتناب کیا جائے تا کہ عوام وخواص یکساں طور پر اس کو سمجھ سکیں۔

۲۶۔ ترجمے میں تحت اللفظ کے علاوہ ایک دو جملے کا اضافہ ہو تو لفظی معنی یا مثل کے ذریعے ان کو ترجمے سے ممتاز کر دیا جائے اور اگر مستقل کلام ہو تو اس سے قبل مترجم گوید لکھا جائے اور اس کے آخر میں واللہ اعلم لکھا جائے۔

۲۷۔ ترجمہ تحت اللفظ اور حاصل المعنی دونوں طریقوں کا جامع ہو۔[۲۴]

نتائج بحث

قرآن مجید سمجھنے کے لیے اس کا کسی بھی زبان میں ترجمہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قرآن مجید وہ عظیم کتاب ہے جس کے دنیا کی بہت سی زبانوں میں تراجم کیے گئے ہیں۔

علمائے کرام نے قرآن مجید کے ترجمہ کرنے کے کچھ اُصول وضوابط مقرر کیے ہیں ترجمہ کرتے وقت ان اصولوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے اُصولِ ترجمہ قرآن پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کی بہت پذیرائی ہوئی ہے۔ متأخرین کو ترجمہ قرآن کرتے وقت ان اُصولوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

حوالہ جات

۱۔ الحجر ۱۵:۹

۲۔ یہ آیات راقم (ثاقب گیلانی) نے خود شمار کی ہیں۔

۳۔ تقی عثمانی، مولانا، علوم القرآن، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، ص ۲۳

۴۔ الانعام ۶:۵۹

۵۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، مناہج العرفان فی لفظ القرآن، منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۸ء

۶۔ القمر ۵۴:۱۷

۷۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء۔ باب ماذکر عن بنی اسرائیل، رقم الحدیث ۳۴۶۱

۸ ۔ المالکی، السید محمد بن علوی، زبدۃ الاتقان فی علوم القرآن ، مترجم غلام نصیر الدین ، فرید بک سٹال اردوبازار لاہور، ص۴۸

۹۔ زرقانی، علامہ محمد عبد العظیم، مناھل العرفان، ج۲، ص۷

۱۰۔ المالکی، السید محمد بن علوی، زبدۃ الاتقان فی علوم القرآن، مترجم غلام نصیر الدین، محولا بالا، ص۴۹

۱۱ ۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، دیباچہ تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ج ۱، ص۱۰

۱۲۔ سرخسی، المبسوط ، جلد اول ۷۳ مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ /۱۹۰٦ء بحوالہ: ج ائزہ تراجم قرآن از حضرت شیخ عبد القادر دہلوی، ص۹

۱۳ ۔ خاکوانی، باقر خان ، پروفیسر ڈاکٹر محمد، پاکستان میں قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ص ۱۲-۱۳

۱۴۔ عبد الوحید، عالمی شخصیات (انسائیکلوپیڈیا)، مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۵۷

۱۵۔ علی، چوہدری رفاقت ، مسلم سیاسی مفکرین، نذیر سنز پبلشرز، ۴۰۔ اے اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص۲۷۹

۱٦۔ سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، جلد سوم، ص۳۴٦

۱۷۔ نوشہروی، ابویحییٰ امام خان، تراجم علمائے حدیث ہند (۱۳۵٦ھ)، جید برقی پریس، دہلی، جلد ۱، ص۴۰

۱۸ ۔ اکرام، شیخ محمد، رود کوثر، ص۵۲۰

۱۹۔ اوج، ڈاکٹر محمد شکیل ، قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم، مکتبہ قاسم العلوم، ص۲۳

۲۰۔ قاسمی، مولانا محمد سعود عالم، شاہ ولی اللہؒ کی قرآنی فکر کا مطالعہ، طبع محمود اکیڈمی، لاہور، ص۹۷

۲۱ ۔ رائے پوری، مفتی عبد الخالق آزاد، قرآنی ترجمہ نگاری کی اہمیت اوراصول وقوانین ، رحیمیہ مطبوعات، لاہور، ص۴۷

۲۲ ۔ اختر الواسع، پروفیسر، فرحت احساس، مقدمہ در قوانین ترجمہ از شاہ ولی اللہؒ بحوالہ امام شاہ ولی اللہؒ (افکار وآثار) البلاغ پبلی کیشنز نئی دہلی۔

۲۳۔ رائے پوری، مفتی عبد الخالق آزاد، قرآنی ترجمہ نگاری کی اہمیت اوراصول وقوانین، محولا بالا، ص۵۰

۲۴۔ پروفیسر اختر الواسع، فرحت احساس، محولا بالا۔